فقہ حنفی و مالکی کے اصول اجتہاد: ایک تحقیقی و تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر ہدایت خان[1]

Abstract

In Islamic Jurisprudence there are four schools of thought and each its own principles of interpretation. There is a great need of comparison among the principles of interpretation of these four. Therefore it has been tried to compare between the principles of interpretation of Hanafi and Maliki schools of thought. Islamic Law regulates the affairs of practical life of the people such as virtual laws, family matters, financial matters, judicial proceeding affairs, banking laws, inheritance and criminal law. In this article a detail introduction of both fiqhi scholars Imam Abo Hanifa and Imam Malik and their students, Imam Muhammad Ashaibani, Imam Abo Yusuf and Imam Zufar, Abdullah ibnewahab, Abdur Rahman ibneQasim and ashhab ben Abdul Aziz has been presented, who have contributed in establishing their schools of thought and have written books on it. An valuable discussion has been done on their principles of interpretation. As these two schools of thought have two different origins and places which affected their principles of interpretation. In both schools of thought, Quran and Sunnah are the main and first sources of interpretation but they differ in other sources like Ijma, Qias, Masalih Mursalah, Qoal-e-Sahabi (saying of a Sahabi) companion of Muhammad SAWM, Khabr e wahid, Hadith Mursal, and Istehsan. A comparative study has also been done between these two schools of thought of their interpretation. In the end some valuable results have been deducted after doing comparison between their modes of interpretation.

Key Words: Hanafi, Maliki, Principles, Quran, Sunnah, Ijma' ,Qias, Khabr e Wahid, Hadith Mursal, MasalihMursalah, Istehsan.

---

[1]: اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک لاء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

فقہ اسلامی پر تاریخی نگاہ ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کے ارتقاء کے بنیادی مراکز دو ہی تھے ایک مرکز حجاز تھااور دوسرا کوفہ تھا۔ان دونوں مراکز کے کے تفصیلی احوال کتب تاریخ میں ملاحظ کئے جائیں تو یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ دونوں مراکز کے احوال و ظروف باہم بہت حد تک مختلف تھے جس کی وجہ سے وہاں کے حالات کے تقاضوں میں بھی تفاوت تھا۔ فقہ کا تعلق چونکہ عملی زندگی کے مسائل کے ساتھ ہے، اس لئے لامحالہ اس کا متاثر ہونا عین قرین قیاس تھا۔اوراسی وجہ سے ان دوبنیادی فقہی مراکز کامزاج بھی مختلف ہوا۔

اس مقالہ میں ان دو فقہی مراکز کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کے اصول استنباط کو موضوع سخن بناتے ہوئے دونوں کا تقابلی جائزہ بھی لیاگیا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ حالات و ظروف کااختلاف ان فقہی مکاتب فکر کے مناہج اور اصول اجتہاد پر کہاں تک اثر انداز ہوئے۔ مدینہ طیبہ کی فضاء چونکہ سادہ اور دیہاتی رنگ میں رنگی ہوئی تھی، جبکہ اس کے مقابلے میں عراق مختلف النوع رنگ و نسل کے باشندوں کی وجہ سے تمدن و تہذیب کے عروج پہ تھاجو عرصہ دراز سے اسلامی دنیا کے ایک اہم علمی ،اقتصادی ،معاشی اور سیاسی مرکز کے طور پر رہا تھا۔اس لئے وہاں مسائل بھی پیچیدہ اور زیادہ تھے،اسی تناظر میں فقہاء کواس قسم کے چیلنجز کاسامنا فقہاء کو کرناپڑ رہا تھا،اور مختلف قسم کے خیالات کے حامل لوگوں کی بھی وہاں کثرت تھی۔

فقہ حنفی کا تعارف

فقہ حنفی کی نسبت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے، جو کوفہ کے رہنے والے تھے،اس فقہ کو فقہ اہل الرائے بھی کہاجاتاہے،اور کوفہ ہی میں عبداللہ بن مسعود کا حلقہ درس قائم تھا،آپ کے بعد اس مسند پر مختلف فقہاء مسند نشین رہے یہاں تک کہ امام اعظمؒ اس پر جلوہ افروز ہوئے ،اور فقہ حنفی کی بنیاد رکھی گئی۔

امام اعظمؒ کا نام نعمان بن ثابت زوطی ہے، آپ کا تعلق خراسان کے علاقے کابل سے تھا، البتہ آپ کی طرف غلامی کی نسبت کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں آپ

کو مولی بنو تمیم کہا گیا ہے، جبکہ اسماعیل بن حماد سے مروی ہے کہ آپ کے اباء و اجداد کبھی غلام نہیں رہے۔[1]

اس بات پر سب ہی مؤرخین کا تقریبا اتفاق ہے کہ امام اعظمؒ کی تاریخ پیدائش 80 ہجری اور تاریخ وفات 150 ہجری ہے[2]۔

اسی طرح اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، کہ آپ کی وفات جیل میں ہوئی۔ البتہ سبب وفات کے متعلق دو اقوال ملتے ہیں: ایک قول کے مطابق آپ کی وفات زہر کھلانے کی وجہ سے ہوئی۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کوڑے مارنے کے نتیجے میں شہید ہوئے[3]۔

امام اعظمؒ نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا ہے اس پر تمام اہل علم متفق ہے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے ان کی زیارت یا سماع کیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ بہت سارے محدثین اور مؤرخین اس بات کے قائل ہیں کہ آپ نے زیارت کا شرف حاصل کیا ہے، بعض اس بات کے بھی قائل ہیں کہ آپ نے صحابہ سے روایات بھی اخذ کی ہے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے صرف زیارت کی ہے، تب بھی آپ شرف تابعیت سے مشرف ہیں کیونکہ جمہور محدثین کے ہاں تابعی کے لئے صرف رؤیت کافی ہے، چنانچہ الصیمری نے انس بن مالک کے علاوہ جن صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے، جن کی رؤیت امام صاحب کے لئے ثابت ہے، ان میں سے عبداللہ بن الحارث، واسلۃ بن الاسقع، عائشہ بنت عجرد، عبد اللہ بن ابی اوفی، عمرو بن حریث، اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم ہیں[4]۔

امام اعظمؒ نے اپنے شیخ حماد بن ابی سلمۃؒ کی صحبت علمی سے ان کی وفات تک استفادہ کیا اور ان کے بعد ان کے مسند علمی کے جانشین قرار پائے۔ اگرچہ ابتداء میں جانشین بننے کے لئے حماد بن ابی سلمہ کے بیٹے اسماعیل کا نام زیر غور تھا۔ لیکن ان کا ذاتی رجحان چونکہ ادب اور شعر کی طرف تھا، اس لئے امام صاحب اس مسند پر سب سے موزوں شیخ کے طور پر بٹھائے گئے[5]۔

چنانچہ امام اعظمؒ نے اس سلسلے کو بطریق احسن آگے بڑھایا اور فقہ الواقع کے علاوہ فقہ النظری کی بنیاد ڈالی، جو اس امت پر آپ کا بڑا احسان ہے۔

استنباط کا طریقہ کار

امام ابو حنیفہؒ نے فقہی مجلس قائم کی تھی۔ گویا اجتماعی اجتہاد کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہاں فقہی مسائل پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا، جس میں تمام علوم وفنون کے ماہر موجود ہوتے تھے

اس مجلس میں بحث کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ کوئی ایک مسئلہ مجلس کے سامنے رکھا جاتا تھا اور اس پر سب ارکان مجلس اظہار خیال کرتے تھے یہ علمی مناقشہ کئی دنوں بلکہ مہینوں تک جاری رہتا تھا۔ یہاں کا ماحول شورائی اور جمہوری ہوتا تھا، کسی کو استبداد حاصل نہیں تھی، بالاخر اراکین مجلس کسی ایک نتیجے پر پہنچ ہی جاتے تھے، اور اختلاف کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ اختلافی نوٹ بھی تحریر کئے جاتے تھے۔[6]

آج کے دور میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا نے گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر لی ہے، لوگوں کے ایک دوسرے سے تعلقات اور ایک دوسرے پر انحصار بڑھ گیا ہے اس تناظر میں عہد قدیم سے مسائل کے حل کے لئے امام اعظم نے جو طرح ڈال دیا ہے دور جدید میں مختلف اجتماعی اجتہاد کے اداروں کے لئے یہ ایک زبردست منہاج فراہم کرتا ہے۔

فقہ حنفی کی جامعیت

فقہ حنفی کے بانی اور مؤسس امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے دور میں کبار شیوخ سے استفادہ کیا۔ چنانچہ کوفہ کا علمی مرکز سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود کا علمی امین تھا۔ جہاں سے آپ نے علمی تشنگی کو سیراب کیا۔ اسی طرح آپ نے نافع مولی بن عمر سے استفادہ کیا۔ اور مکہ میں عطاء بن ابی

رباح جو عبد اللہ بن عباس کے علمی امین تھے، ان سے آپ نے استفادہ کیا۔ چنانچہ کبار صحابہ کرام اور اہم علمی مراکز سے اخذ علم کے بعد آپ نے استنباط احکام کا کام شروع کیا۔[7]

اصحاب ابو حنیفہؒ کا تعارف

فقہ حنفی کے ارتقاء میں امام صاحبؒ کے اصحاب اور تلامذہ کا بھی بڑا کردار رہا ہیں۔ آپؒ نے ایک علمی مجلس قائم کی۔ جس کے اراکین میں سے آپؒ کے تلمیذ رشید قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ سر فہرست ہیں۔

1: یعقوب بن ابراہیمؒ

امام ابو یوسفؒ کا نام یعقوب بن ابراہیم ہے، آپ نے 182 ہجری میں وفات پائی۔ علمی طور پر آپ نے ابن ابی لیلیٰ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے استفادہ کیا۔[8]

2: محمد بن الحسن الشیبانیؒ

امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ امام اعظمؒ کے وہ مایہ ناز شاگرد ہیں جنہوں نے فقہ حنفی کی بنیادی کتب تحریر کی ہیں، اور اس کے نشو ونما میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات 187 ہجری ہیں۔[9]

3: ابو الھذیل زفر بن الھذیل العنبریؒ

امام صاحب کے اصحاب میں سے ایک امام زفر ہیں جن کا پورا نام ابو الھذیل زفر بن الھذیل العنبری ہے۔ آپ 110 ہجری کو پیدا ہوئے اور 158 ہجری کو وفات پاگئے۔ ابتداء میں آپ پر حدیث کا غلبہ تھا اور پھر فقہ کی طرف مائل ہوئے[10]۔

ان فقہاء کرام کے علاوہ اور بہت سارے اصحاب امام اعظمؒ کے علمی مجلس کے ارکان اور آپ کے شاگرد تھے لیکن جو شہرت اور علمی مقام ان دو حضرات کو حاصل ہوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ امام صاحب کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو صاحبین کہا جاتا ہے، جبکہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں شیخین اور امام محمدؒ و امام اعظمؒ دونوں طرفین کہلاتے ہیں۔

جہاں تک امام محمدؒ کا تعلق ہیں تو آپ نے کتب ظاہر الروایہ لکھیں، جو اصول ستہ بھی کہلاتیں ہیں، اس کے علاوہ کتب النوادر بھی آپ کی تصانیف ہیں۔امام ابویوسف نے کتاب الخراج اور کتاب الاثار اپنے علمی تراث میں یادگار چھوڑی ہیں۔

ریاست اور قضاء، محکمہ قضاء ریاست کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون اور شعبہ ہے جس کا تعلق سماج سے ہے۔اسی طرح امام ابویوسف قاضی القضاۃ رہے۔ جس کی وجہ سے فقہ حنفی ریاستی سطح پر بھی رائج رہی اور پذیرائی ملی۔ جس طرح بعد کے ادوار میں بطور خصوصی خلافت عثمانیہ میں ریاستی قانون کے طور پر فقہ حنفی کو پذیرائی ملی۔

فقہ حنفی کے اصول اجتہاد

اجتہاد اور استنباط احکام کے بارے میں امام اعظمؒ کے بنیادی اصول جس کی توضیح آپ نے خود فرمائی ہیں کہ جب میں کسی مسئلے کا حکم دیکھنا چاہوں تو سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ میں تلاش کرتا ہوں۔اگر ان دو مصادر میں نہ پاؤں تو اقوال صحابہ میں سے جس کو چاہوں اختیار کرتا ہوں۔[11]

اس عبارت سے جو اصول مترشح ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ احناف کے ہاں سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ اور پھر قول صحابی کو استنباط احکام میں فوقیت حاصل ہے، اسی طرح اجماع اور قیاس بھی ان کے ہاں مسلم مصادر میں شامل ہیں۔

خبر واحد کی حجیت اور شرائط

جہاں تک خبر واحد کی حجّیت کا تعلق ہیں تو احناف کے ہاں وہ علم یقینی کا مصدر تو نہیں البتہ ظنیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے موجب علم یقینی تو نہیں البتہ موجب عمل ہے۔[12] اسی طرح امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں، کہ خبر واحد کے باب میں اصل ہمارے ہاں یہ ہے کہ یہ استنباط احکام میں حجت ہیں[13]

یہی وجہ ہے کہ خبر واحد کا منکر اگر کسی تاویل کی بنیاد پر انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوتا البتہ اگر تاویل کے بغیر انکار ہو تو گمراہ کہلائے گا[14]۔

لیکن خبر واحد کی حجیت کے لئے جو شرائط رکھی گئی ہیں امام ابو زہرہ اس کے بارے میں رقم طراز ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے سے اقویٰ دلیل کے معارض نہ ہو۔

اسی طرح اجماع اور عمل صحابہ کے مخالف بھی نہ ہو اور اس کا تعلق ان امور سے نہ ہو جو عام طور اعلانیہ نظر آتے ہو اور راوی کا اپنا عمل اس کے مخالف نہ ہو۔ اگر روایت بالمعنی ہو تو راوی فقیہ ہونا چاہئے، اس لئے فقیہ راوی کی روایت کو غیر فقیہ پر ترجیح دی جائے گی[15]۔

حدیث مرسل کی حجیت

مراسیل کی حجیت کے بارے میں ابو بکر جصاصؒ کی تصریح یہ ہے کہ ہمارے اصحاب صحابہ اور تابعینؒ کے مراسیل کو حجت مانتے ہیں۔ اور میرے نزدیک تبع تابعین کی مرسل روایات بھی حجت ہیں۔ بشرطیکہ ارسال کسی ثقہ راوی کی طرف سے ہو اور یہ متعین ہو جائے کہ راوی ثقہ ہے[16]۔

قول صحابی کی حجیت

اقوال صحابہ میں سے وہ قول جو مدرک بالقیاس نہ ہو تو وہ حجت ہے۔ البتہ اگر مدرک بالقیاس ہو تو جمہور احناف کے ہاں وہ بھی حجت ہے جبکہ بعض اس کی عدم حجیت کی طرف گئے ہیں [17]

استحسان کی حجیت

اسی طرح احناف کے ہاں ایک مصدر استحسان ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیاس ظاہری کو چھوڑ کر قیاس خفی کو کسی اقویٰ وجوہ کی بناء پر اختیار کیا جائے[18]۔

شرائع من قبلنا کی حجیت

وہ شرائع جو شریعت محمدیہ ﷺ سے پہلے گزر چکی ہیں ان کا اتباع لازمی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اگر وہ منسوخ ہوئی ہیں تو اس صورت میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نسخ رفع حکم کو مستلزم ہے۔ البتہ اگر اس کے بارے شریعت اسلامیہ نے منسوخ ہونے کا حکم نہ دیا ہو تو اس کا اتباع لازمی ہے۔ صاحب تلویح نے اس کی صراحت کی ہے کہ وَمَا بَقِيَ لَزِمَنَا الِاتِّبَاعُ عَلَى أَنَّهُ شَرِيعَةٌ لِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [19]

منسوخ احکام کے علاوہ جو احکام رہ گئے ان کا اتباع لازمی ہے اور وہ بمنزلہ شریعت محمدیؐ کے ہے

کیونکہ شریعت محمدیؐ اسے منسوخ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی توثیق کی گئی ہے اور اس کے حکم کو برقرار رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ان احکام کی صراحت نصوص شرعیہ میں موجود ہو، چنانچہ امام سرخسی نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے،

وَأَصَح الْأَقَاوِيل عندنَا أَن مَا ثَبت بِكِتَاب الله أَنه كَانَ شَرِيعَة من قبلنَا أَو بِبَيَان من رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَإِن علينا الْعَمَل بِهِ على أَنه شَرِيعَة لنبينا عَلَيْهِ السَّلَام مَا لم يظْهر ناسخه[20]

اس بارے اصح قول احناف کے ہاں یہ ہے کہ جو کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہو کہ یہ احکام ہم سے ماقبل شرائع کا حصہ تھے تو ہم اس پر عمل کریں گے جب تک اس کا منسوخ ہونا واضح نہ ہو جائے۔

فقہ مالکی

فقہ مالکی کی نسبت امام مالک بن انسؒ کی طرف کی جاتی ہے۔ آپؒ پورا نام مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی ہیں جن کی تاریخ وفات 179 ہجری ہے۔ آپؒ کی تاریخ پیدائش 93 ہجری ہے۔[21]

آپ کے شیوخ میں سے نَافِعٍ، وَسَعِيْدٍ المقْبُرِيِّ، وَعَامِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، وَابْنِ المُنْكَدِرِ، وَالزُّهْرِيِّ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ دِيْنَارٍ إِسْحَاقُ بنُ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِي طَلْحَةَ ، أَيُّوْبُ بنُ أَبِي تَمِيْمَةَ السِّخْتِيَانِيُّ عَالِمُ البَصْرَةِ ، أَيُّوْبُ بنُ حَبِيْبٍ الجُهَنِيُّ مَوْلَى سَعْدِ بنِ مَالِكٍ ، إِبْرَاهِيْمُ بنُ عُقْبَةَ ، إِسْمَاعِيْلُ بنُ أَبِي حَكِيْمٍ ، إِسْمَاعِيْلُ بنُ مُحَمَّدِ بنِ سَعْدٍ ، ثَوْرُ بنُ زَيْدٍ الدِّيْلِيُّ ، جَعْفَرُ بنُ مُحَمَّدٍ حُمَيْدٌ الطَّوِيْلُ ، حُمَيْدُ بنُ قَيْسٍ الأَعْرَجُ ، خُبَيْبُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، دَاوُدُ بنُ الحُصَيْنِ ، دَاوُدُ أَبُو لَيْلَى بنُ عَبْدِ اللهِ فِي القِسَامَةِ ، رَبِيْعَةُ الرَّأْيِ ، زَيْدُ بنُ أَسْلَمَ ، زَيْدُ بنُ رَبَاحٍ ، زِيَادُ بنُ سَعْدٍ ، زَيْدُ بنُ أَبِي أُنَيْسَةَ ، سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ وغیرہ ہیں۔[22]

آپ کے تلامذہ میں عبد الرحمن بن مهدي وشعبة بن الحجاج والقعنبي وعبد الله بن يوسف وعبد الله بن المبارك ويحيى بن سعيد القطان ومعن بن عيسى وغیرہ شامل ہیں۔[23]

آپ امام دارالہجرۃ کہلاتے تھے۔اور حب رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ آپؒ ساری زندگی مدینہ ہی میں گزاری، روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر آپؒ احادیث مبارکہ کا درس دیا کرتے تھے۔

امام مالکؒ مجتہد مطلق کے درجے پر فائز تھے۔اللہ نے آپ کو علمی کمالات سے نواز رکھا تھا ۔اور ایک پورا فقہی مکتبہ فکر آپ کی طرف منسوب ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر کے حلقہ درس کی کڑیوں کے ساتھ آپ کی وابستگی رہی اور نافع مولی بن عمر سے حدیث اخذ کی۔چنانچہ آپؒ مدینہ کے فقہی ورثہ کے امین ٹھہرے۔

آپ کی کتاب المؤطا م حدیث اور فقہ دونوں کے میدان میں نہایت وقیع کتاب سمجھی جاتی ہیں ۔کیونکہ یہ فقہی منہج پر لکھی گئی منقولہ روایات پر مشتمل ہے۔

المدونۃالکبری خالص فقہی کتاب ہے،جو ان فروعات پر مشتمل ہیں جن کے بارے میں امام مالکؒ نے خود فتویٰ دیا ہے، یا جو امام مالکؒ کے اصول کی بنیاد پر عبد الرحمٰن بن قاسم نے اخذ کئے ہیں۔

اصحاب امام مالک

1: عبداللہ بن وہبؒ

عبداللہ بن وہبؒ مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ امام مالک کے ساتھ بیس سال تک رہے آپ نے المؤطاالکبیر اور المؤطا الصغیر لکھیں، آپ کی تاریخ پیدائش 124 ہجری جبکہ تاریخ وفات 197 ہجری ہے۔امام مالکؒ آپ کو امام کہا کرتے تھے، آپ کی طرف خطوط میں خطاب عبداللہ بن وہب المفتی کے ساتھ کرتے تھے۔ جس سے آپ کے علمی پائے کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ کہ امام دار الہجرہ آپ کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور مفتی کے منصب کے لئے آپ کی اہلیت کی گواہی دیتے تھے۔[24]

2: عبدالرحمٰن بن قاسمؒ

آپ کا نام عبد الرحمٰن بن القاسم بن خالد بن جنادۃ العتقیّ المصری، ابو عبد اللہ، ویعرف بابن القاسم (التوفی: 191ھ-) ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش 127 ہجری اور ایک روایت کے مطابق 131 ہجری ہے جبکہ تاریخ 191 ہجری ہے۔آپ امام مالک کے مشہور اصحاب میں سے ہے ۔امام حاکمؒ ،ابن حبانؒ اور خطیب بغدادیؒ نے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے۔امام مالکؒ کے اصول پر آپ نے فروعی مسائل کا استنباط کیا[25]۔

امام ابن القاسمؒ نے علمی استفادہ امام مالکؒ سے کیا اور ان کے اجل اصحاب میں شمار ہوئے اوران کے علاوہ بکر بن مضرؒ، سعد بن عبد اللہ المعافریؒ، سفیان بن عیینہؒ، سلیمان بن القاسم الاِسکندرانی الزاہدؒ، یزید بن عبدالملک النوفلی بھی ہیں[26]۔

ان دو حضرات نے فقہ مالکی کی تدوین اور نشرو اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اشہب بن عبد العزیز

مذکورہ بالا دونوں حضرات کے علاوہ اشہب بن عبدالعزیزؒ بھی فقہ مالکی کے اہم فقہیہ گزرے ہیں ،آپ نے امام مالک سے براہ راست استفادہ کیا، مصر میں 140 ہجری میں پیدا

ہوئے۔آپ کے تلامذہ میں سحنون مالکی، عبدالملک بن حبیب جیسے نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں ۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مصر نے اشہب سے بڑھ کر فقیہ پیدا نہیں کیا اگر وہ غصیلے نہ ہوتے، آپ کی تاریخ وفات 204 ہجری ہے[27]۔

فقہ مالکی کے اصول اجتہاد

امام مالکؒ کے اصول اجتہاد میں بھی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سب سے مقدم ہیں۔چنانچہ اس بارے میں شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے۔کہ فقہ مالکی میں کتاب اللہ کے بعد سب سے مقدم درجہ سنت نبوی ﷺ کو حاصل ہے چاہے متصل ہو یا مرسل ہو۔اس کے بعد حضرت عمر کے فیصلے، اس کے بعد عبداللہ بن عمر کے فتاویٰ، اس کے بعد دوسرے مدنی صحابہ کے فتاویٰ کا درجہ ہیں۔اس کے بعد مدینہ کے مشہور اصحاب افتاء سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم، سالمؒ، سلیمان بن یسارؒ، ابو سلمہؒ، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارثؒ، ابو بکر بن عمرو بن حزمؒ، اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فتاویٰ کو اہمیت حاصل ہیں[28]۔

امام ابن العربیؒ نے ترتیب ادلۃ شرعیہ کچھ یوں ذکر کی ہے،

پہلے کتاب اللہ میں تلاش کرے اگر اس میں نہ پائے تو سنت رسول ﷺ میں طلب کرے اگر اس میں بھی کوئی حل نہ مل سکے تو مسائل صحابہ اور قضایا تابعینؒ میں ڈھونڈھنا چاہیے خواہ وہ اجماعی ہو یا اختلافی ہو[29]۔

حدیث مرسل کی حجیت

معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے مالکیہ کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے۔چنانچہ مراسیل کے بارے میں الاشارۃ میں تصریح ہے کہ

"ومذهب مالك -رحمه اللّٰه- قبول الخبر المرسل إذا كان مرسله عدلًا عارفًا بما أرسل، كما يقبل المسند، وقد احتجّ به في مواضع كثيرة حيث أرسل الخبر في اليمين مع الشاهد، وعمل به"[(1)]۔

اور مراسیل کے قبول ہونے کی بابت امام مالک رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ مرسل روایت قابل قبول ہے بشرط یہ کہ اس کا ارسال کرنے والا عادل ہو اور اپنی روایت کو جانتا ہو تو مسند کی طرح مرسل بھی مقبول ہو گی ۔چنانچہ مالکی مذہب میں بہت سارے مسائل کی بنیاد مرسل روایات ہیں،اس کی ایک مثال ایک گواہ کے ساتھ قسم کا مسئلہ ہے جس میں امام مالکؒ اس کے قائل ہے جبکہ اس سے متعلق روایت مرسل ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں مرسل کی قبولیت دو شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے: ایک راوی کا عادل ہونا ہے اور دوسرا فہم روایت ہے۔کیونکہ جب خبر کا انحصار ایک شخص پر ہو تو عدالت کا ہونا ضروری امر ٹھر جاتا ہے جبکہ فہم روایت کی صلاحیت اس کے اخذ میں غلطی کے امکان کو ختم کر دیتا ہے، اس لئے ان دو شرائط کا وجود لازمی قرار دیا گیا ہے۔

خبر واحد کی حجیت

خبر واحد کی حجیت کے لئے مالکیہ نے جو شروط بیان کی ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف نہ ہو۔کیونکہ ان کے ہاں تعامل اہل مدینہ تواتر کے درجے میں ہے اس لئے اسے مقدم رکھا جاتا ہے، بہ نسبت خبر واحد کے کیونکہ متواتر اس پر مقدم ہے[31]۔

خبر واحد کے مفید علم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مالکیہ کا مؤقف یہ ہے کہ یہ مفید علم یقینی نہیں البتہ موجب عمل ہے، اس بارے میں المحصول میں اس کی توضیح کی گئی ہے کہ

"وَأما الثَّانِي الَّذِي يُوجب الْعَمَل دون الْعلم فَهُوَ خبر الْوَاحِد الْمُطلق"[32]

جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ موجب عمل ہے نہ کہ علم اور وہ مطلق خبر واحد ہے

شرائع من قبلنا کی حجیت

ما قبل شرائع کے بارے میں مالکیہ کا مؤقف بھی وہی ہے جو احناف اصولیین نے اختیار کیا ہے چنانچہ اس بارے میں تصریح یہ ہے کہ

"والمختار عندنا أن العقل لا يحيل إيجاب اتباع أحكام شرع من قبلنا إذا لم يرد في شرعنا ناسخ له"[33]

اور ہمارے ہاں مختار قول یہ ہے کہ ما قبل شرائع پر عمل عقلا محال نہیں ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں اس کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو۔

دیگر مآخذ

مالکیہ کے ہاں دیگر مصادر کے بارے میں تصریح یہ کی گئی ہے کہ

"فَمِنْهُ ترك الدَّلِيل للْمصْلحَة وَمِنْه ترك الدَّلِيل للْعُرْف وَمِنْه ترك الدَّلِيل لإِجْمَاع أهل الْمَدِينَة وَمِنْه ترك الدَّلِيل للتيسير لرفع الْمَشَقَّة وإيثار التَّوسعَة على الْخلق"[34]

مصالح مرسلہ کی بنیاد پر عرف اور اجماع اہل مدینہ کی بنیاد پر استنباط احکام میں دلیل کو ترک کرنا ہے اسی طرح یسر کے لئے دفع مشقت ہے تاکہ مخلوق خدا کے لئے وسعت پیدا ہو جائے اور انہیں تنگی سے بچایا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام مالک کے استنباط احکام کے مصادر میں سے کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ ، تعامل اہل مدینہ ، اجماع، قیاس، مصالح مرسلہ اور شرائع من قبلنا شامل ہیں۔

تقابلی جائزہ

فقہائے احناف اور مالکیہ کے ہاں اجتہاد و استنباط کے اصولوں میں بہت ساری چیزیں مشترک ہیں، جب کہ بعض میں اختلاف ہے چنانچہ ان دونوں مکاتب فقہ کے ہاں بنیادی متفق علیہ مصادر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں

مراسیل کی حجیت کے بارے میں فقہائے احناف اور مالکیہ دونوں کا اتفاق ہے، کیونکہ احناف کے ہاں تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے مراسیل حجت ہے، بلکہ امام ابو بکر جصاصؒ کی رائے کے مطابق ثقہ راوی کا ارسال قابل قبول ہے یہی شرط مالکیہ کے ہاں بھی ہے کہ عادل راوی اگر ارسال کرے تو وہ ان کے ہاں حجت اور قابل استدلال ہے اس لئے دونوں کا مؤقف ایک ہی ہے یعنی مراسیل قابل احتجاج ہے۔

اسی طرح مالکیہ کے ہاں شرائع من قبلنا کی حجیت اس وقت مسلم ہو گی جب شریعت اسلامیہ نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح نہ کی ہو بعینہ یہی مؤقف حنفی اصولیین کا بھی ہے۔

جہاں تک اجماع اہل مدینہ کا تعلق ہے تو اس حوالے سے احناف کا مؤقف مالکیہ کے برعکس ہے۔ اور احناف اہل مدینہ کے اجماع کو حجت ماننے کے لئے تیار نہیں چنانچہ امام ابو بکر جصاصؒ اس حوالے سے رقمطراز ہے کہ

"أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَسَائِرُ النَّاسِ غَيْرُهُمْ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ، وَلَيْسَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ مَزِيَّةٌ عَلَيْهِمْ فِي لُزُومِ اتِّبَاعِهِمْ."[35]

اہل مدینہ اور باقی لوگوں کا اجماع ایک ہی حکم میں ہے اور اہل مدینہ کو اس بابت کوئی خصوصیت حاصل نہیں کہ ان کے اجماع کا اتباع لازمی گردانا جائے۔ اسی سے آگے چل کر اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہے کہ

"أَنَّ جَمِيعَ الْآيِ الدَّالَّةِ عَلَى صِحَّةِ حُجَّةِ الْإِجْمَاعِ لَيْسَ فِيهَا تَخْصِيصُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بِهَا مِنْ غَيْرِهِمْ"[36]

جو دلائل اجماع کی حجیت سے متعلق ہے ان میں اہل مدینہ کی تخصیص نہیں کی گئی۔ اسی لئے اسے خاص طور پر الگ حجت نہیں مانا جاسکتا۔

اسی طرح استحسان اور مالکیہ کے ہاں مصالح مرسلہ تقریبا قریب المعنی ہے۔ بلکہ مشہور مالکی اصولی علامہ ابن العربی کے بقول

"وَقد تتبعناه فِي مَذْهَبنَا وألفيناه أَيْضا منقسما أقساما فَمِنْهُ ترك الدَّلِيل للْمصْلحَة"[37]

مالکیہ نے استحسان کو بطور مصدر اپنے مذہب میں استعمال کیا ہے اور اسے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے چنانچہ ان میں سے ایک مصلحت ہے۔

ابن العربی نے استحسان کی اقسام میں سے عرف، اجماع اہل مدینہ، مصالح مرسلہ، اور تیسیر کے پہلو کو شمار کیا ہے[38]۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ احناف اور مالکیہ دونوں استحسان

کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔البتہ تصور میں کسی حد تک تفاوت ہے، کیونکہ مالکیہ نے اس کے تصور میں وسعت پیدا کر کے دوسرے مستقل مصادر بھی اس میں شامل کئے ہیں۔

قول صحابی کے متعلق احناف اور مالکیہ کا مؤقف ایک ہی ہے البتہ فرق یہ ہے کہ مالکیہ اس کی درجہ بندی کرتے ہے جبکہ احناف نے اس کی حجیت کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ خلاف قیاس ہو ۔جبکہ جمہور احناف یہ شرط نہیں لگاتے۔

نتائج بحث

مذکورہ بالا بحث سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں ان میں سے

1: احناف اور مالکیہ کے اصول اجتہاد میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

2: اجماع اہل مدینہ یا تعامل اہل مدینہ ، عرف اور مصالح کو مالکیہ استحسان کی اقسام شمار کرتے ہیں جبکہ احناف کے ہاں استحسان ایک مستقل مصدر ہے اور عرف و مصالح الگ مستقل مصادر شمار ہوتے ہے ،اور مالکیہ کے بر عکس احناف اجماع و تعامل اہل مدینہ کو مصدر نہیں مانتے۔

3: قول صحابی جمہور احناف کے نزدیک مطلقا حجت ہے اور مالکیہ بھی اسے حجت تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں درجہ بندی کرتے ہیں۔

4: مالکیہ اور احناف کے اصول اجتہاد میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

مصادر و مراجع

1: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ، حسین بن علی الصیمری ،ص 15-16 عالم الکتب بیروت سنۃ النشر 1405ھ - 1985م

2: سیر اعلام النبلاء ، محمد بن احمد ، ج 11 ص 474مؤسسۃ الرسالۃ بدون تاریخ

3:ا خبار ابی حنیفہ واصحابہ ، حسین بن علی الصیمری ،ص 91

4: ایضا ص 18[4]

5: ابوحنیفۃ، حیاتہ ،و عصرہ ،محمد ابو زہرہ، ص 29 دارلفکر العربی

6: ایضا ص 87

7: ایضا ص 75

8: الجواہر المضئیۃ فی طبقات الحنفیہ ـعبد القادر بن ابی الوفاء ج 2 ص 220میر محمد کتب خانہ کراتشی بدون تاریخ

9: ایضا ص 239 ج 1

10: الفہرست محمد بن اسحاق ابن ندیم ،ص 202 دار المعرفۃ بیروت 1398 - 1978

11: الانتقاء فی فضائل الثلاثہ الائمۃ الفقہاء،یوسف بن عبد البر ، ص 142 دارالکتب العلمیہ بدون تاریخ

12: خلاصة الافكار شرح المنار ،قاسم بن قطلوبغا، ص 130 دار ابن حزم الطبعة: الأولى، 1424 هـ - 2003 م

13: الفصول فى الاصول ،احمد بن على ، ج 3 ص 129 وزارت الاوقاف والشؤون1405هـ1985م

14:اصول السرخسى ،محمد بن احمد السرخسى ، ج 1 ص 112 دارالمعرفة بيروت بدون تاريخ[14]

15: ابوحنيفة، حياته ،و عصره ،محمد ابو زہره، ص 325

16: ايضا ص 145 ج 3

17: كشف الاسرار فى اصول البزدوى ، عبدالعزيز البخارى، ج 3 ص 323 دارالكتب العلميه بيروت 1418هـ/1997م

18: كشف الاسرار ، عبدالعزيز البخارى، ج 4 ص 4

:19 التلويح شرح التوضيح ، مسعود بن عمر التفتازنى ، ج 2 ص 32مكتبه صبيح مصر بدون تاريخ

20: اصول السرخسى ،محمد بن احمد السرخسى ، ج 2 ص 99دارالمعرفة بيروت

21: سير اعلام النبلاء ،محمد بن احمد الذہبى ، ج 15 ص 45 مؤسسة الرساله

22: ايضا

23 : موسوعة مواقف السلف في العقيدة والمنهج والتربية محمد بن عبد الرحمن المغراوي ج 3 ص 1 المكتبة الإسلامية للنشر بدون التاريخ

24:وفيات الاعيان ،احمد بن محمد بن خلكان ، ج 3 ص 36دار صادر بيروتالطبعة : 1 ، 1994

25: مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار ، محمود بن أحمد العيني ، ج 2 ص 206   دارالكتب العلميه بيروت 1427 هـ - 2006 م
26: ايضا و تهذيب التهذيب ،احمد بن على العسقلانى ، ج 6 ص 253   دائرة المعارف النظاميہ1326هـ
27:سير اعلام النبلاء احمد بن محمد، ج 18 ص 31
28: المسوى بحوالہ فقہ اسلامی کی تدوین و تعارف ،ص 237
29: المحصول محمد بن عبدالله بن العربى 135 دارالبيارق عمان 1420هـ-1999م
30: الاشارة سيلمان بن خلف الباجى ، ص 27 دارالكتب العلميہ بيروت لبنان1424 هـ - 2003 م
31: الوجيز فى اصول الفقہ ،محمد مصطفى الزحيلى، ج 1 ص 215 دارالخير للطباعة1427 هـ - 2006 م
32: المحصول فى اصول الفقہ ،محمد بن عبد الله ابوبكر بن العربى المعافرى ،ص 115 دار البيارق عمان
33: البرہان ،عبد الملک بن عبدالله الجوينى ج 1 ص 189دارالكتب العلميہ بيروت1418هـ
34: المحصول ،محمد بن عبد الله بن العربى ، ص 131
35: الفصول فى الاصول ،ابوبكر الجصاص ج 3 ص 321
36: ايضا
37: المحصول محمدبن عبد الله بن العربى - 13
37 : ايضا